

نظم

نظم کے معنی ”انتظام، ترتیب یا آرائش“ کے ہیں۔ عام اور وسیع مفہوم میں یہ لفظ نثر کے مد مقابل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد پوری شاعری ہوتی ہے۔ اس میں وہ تمام اصناف اور اسالیب شامل ہوتے ہیں جو ہیئت کے اعتبار سے نثر نہیں ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں غزل کے علاوہ تمام اصناف میں کی جانے والی شاعری کو ”نظم“ کہتے ہیں۔ لیکن جب ہم نظم کو بطور منفرد شاعری صنف کے دیکھتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نظم کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے جس کے گرد پوری نظم کا تانا بانا بنا جاتا ہے۔ خیال کا تدریجی ارتقا بھی نظم کی ایک خصوصیت ہے۔ طویل نظموں میں یہ ارتقا واضح ہوتا ہے۔ جب کہ مختصر نظموں میں یہ ارتقا واضح نہیں ہوتا اور اکثر و بیشتر ایک تاثر کی شکل میں ابھرتا ہے۔

نظم کے لیے نہ تو ہیئت کی کوئی قید ہے اور نہ موضوعات کی۔ چنانچہ اردو میں غزل اور مثنوی کی ہیئت میں بھی نظمیں کہی گئی ہیں۔ نظم گو شعرا کے یہاں ترکیب بند اور ترجیع بند کی ہیئت بہت مقبول رہی ہے۔ ان دنوں نظم معرا، آزاد نظم اور نثری نظم کی ہیئت کا چلن عام ہے۔

ہیئت کے اعتبار سے نظم کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں:

1. پابند نظم

ایسی نظم جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترکیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو، پابند نظم کہلاتی ہے۔ نئے انداز کی ایسی نظمیں بھی، جن کے بندوں کی ساخت مروّجہ ہیئتوں سے مختلف ہو یا جن کے مصرعوں میں قافیوں کی ترتیب مروجہ اصولوں کے مطابق نہ ہو، لیکن ان کے تمام مصرعے برابر کے ہوں اور ان میں قافیے کا التزام پایا جائے، پابند نظمیں کہلاتی ہیں۔

2. نظم معرّا

ایسی نظم جس کے تمام مصرعے برابر کے ہوں مگر ان میں قافیے کی پابندی نہ ہو، نظم معرّا کہلاتی ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے نظم عاری بھی کہا ہے۔ آج کل اسے نظم معرّا ہی کہا جاتا ہے۔

3. آزاد نظم

ایسی نظم جس میں نہ تو قافیے کی پابندی کی جاتی ہے اور نہ اس کے تمام مصرعے برابر ہوتے ہیں۔ یعنی جس کے مصرعے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں تاہم اس نظم میں بحر کی پابندی کی جاتی ہے۔

4. نثری نظم

نثری نظم چھوٹی بڑی نثری سطروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں نہ تو ردیف اور قافیے کی پابندی ہوتی ہے اور نہ ہی وزن کی۔ آج کل نثری نظم کا رواج دنیا کی تمام زبانوں میں عام ہے۔



اکبر الہ آبادی

(1846 – 1921)

سید اکبر حسین رضوی نام، اکبر تخلص تھا۔ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ بچپن ضلع شاہ آباد میں گزرا۔ 1855 میں اپنے خاندان کے ساتھ الہ آباد گئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہاں پہلے ایک مکتب اور پھر جمنا مشن اسکول میں داخل ہوئے لیکن 1857 کے انقلاب کے باعث تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ ملازمت کی ابتدا عرضی نویسی سے کی۔ کچھ مدت کے بعد الہ آباد ضلع میں نائب تحصیلدار ہو گئے۔ ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان پاس کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ منصف کے عہدے پر بھی مامور ہوئے۔ 1898 میں انھیں حکومت سے خان بہادر کا خطاب ملا۔ اکبر کی زندگی کا آخری زمانہ ذہنی و جسمانی تکالیف اور پریشانیوں میں گزرا۔ پچھتر برس کی عمر میں الہ آباد ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اکبر کو شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ انھوں نے عام رواج کے مطابق شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کی۔ کلام پر اصلاح غلام حسین وحید سے لی جو آتش کے شاگرد تھے۔ اکبر کے کلام میں غزلوں کی تعداد کافی ہے اور ان میں اتنی جان ہے کہ انھیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ان کی انفرادیت ان کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں نظر آتی ہے۔ یہی شاعری ان کی دائمی شہرت کا باعث بنی اور اس میں کوئی دوسرا شاعر ان کا ہم سر نہ ہو سکا۔ اکبر کی ظریفانہ شاعری محض ہنسنے ہنسانے کا ذریعہ نہیں۔ انھوں نے اس کے ذریعے انگریزی تعلیم کے منفی اثرات اور مغربی تہذیب کی اندھی تقلید پر بھرپور وار کیے اور چھوٹی چھوٹی نظموں سے وہ کام لیے جو بڑی بڑی تقریروں سے نہیں لیا جاسکتا تھا۔ اکبر الہ آبادی اگر طنزیہ اور مزاحیہ شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں لیکن ان کی شاعری کا ایک بڑا حصہ سنجیدہ شاعری پر مشتمل ہے۔ انھوں نے بہت سی نظموں کے ترجمے بھی کیے ہیں۔

جلوۂ دربارِ دہلی



5012CH18

سر میں شوق کا سودا دیکھا دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

جنما جی کے پاٹ کو دیکھا اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا حضرت ڈیوک کنٹھ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے گورے دیکھے کالے دیکھے
سگینیں اور بھالے دیکھے بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا اس جنگل میں منگل دیکھا
برہما اور ورنگل دیکھا عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

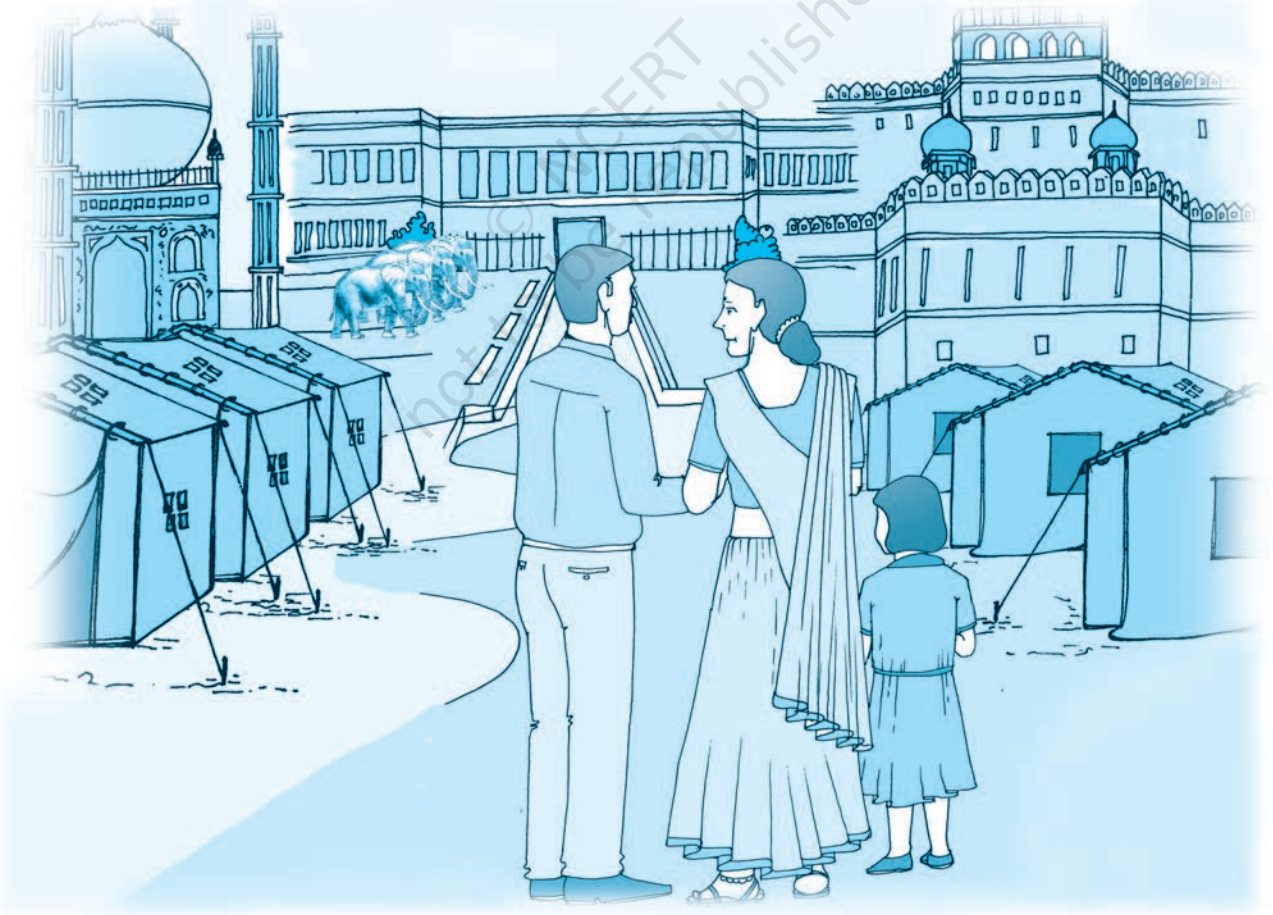
سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری پانی تھا ہر پمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

ڈالی میں نارنگی دیکھی محفل میں سارنگی دیکھی
بے رنگی بارنگی دیکھی دہر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا
منہ کو اگر چہ لٹکا دیکھا دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم ان کا چلنا کم کم ہتم ہتم
زرّیں جھولیں نور کا عالم میلوں تک وہ چم چم چم چم

پُر تھا پہلوئے مسجدِ جامع روشنیاں تھیں ہر سو لامع
کوئی نہیں تھا کسی کا سامع سب کے سب تھے دید کے طامع



سُرخی سڑک پہ کٹتی دیکھی سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی
آتش بازی چھٹتی دیکھی لطف کی دولت لٹتی دیکھی

چوکی اک چوٹھی دیکھی خوب ہی چکھی پکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصہ من و سلوا ایک کا حصہ تھوڑا حلوا
ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا میرا حصہ دور کا جلوا

اوج برٹیش راج کا دیکھا پرتو تخت و تاج کا دیکھا
رنگِ زمانہ آج کا دیکھا رُخ کرزن مہراج کا دیکھا

پہنچے پھاند کے سات سمندر تخت میں ان کے بیسیوں بندر
حکمت و دانش ان کے اندر اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوج بخت ملاقی ان کا چرخ ہفت طباقی اُن کا
محفل اُن کی ساقی اُن کا آنکھیں میری باقی اُن کا

ہم تو ان کے خیر طلب ہیں ہم کیا، ایسے ہی سب کے سب ہیں
ان کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں سب سامانِ عیش و طرب ہیں

_____ اکبرالہ آبادی

مشق

لفظ و معنی:

نمائش	:	جلوہ
سگین کی جمع، ایک نوک دار ہتھیار جو بندوق کی نال پر لگایا جاتا ہے	:	سگینیں
کائنات کو پیدا کرنے والا	:	برہما
عزت چاہنے والا	:	عزت خواہ
دنیا	:	دہر
چمکنے والا، روشن	:	لامع
سننے والا	:	سامع
لاپچ کرنے والا، لاپچی	:	طامع
چار لاکھ کا، مراد قیمتی	:	چو لکھتی
وہ کھانا جو حضرت موسیٰ کی امت پر آسمان سے اتر ا تھا، مراد بہت لذیذ کھانا	:	من و سلوا
بلندی، اونچائی، شان، عروج	:	اوج
عکس، پرچھائیں	:	پرتو
ملنے والا، ملاقات کرنے والا	:	ملاقی
آسمان، فلک، چکر، پہیا	:	چرخ
سات طبق والا، مراد سات آسمان	:	ہفت طباقی
خوشی، مسرت، شادمانی	:	طرب

غور کرنے کی بات:

- دسمبر 1898 میں لارڈ کرزن نئے وائسرائے کی حیثیت سے ہندوستان آئے۔ انھوں نے 1903 میں دہلی میں دربار کیا۔ اسی دربار پر اکبر الہ آبادی نے یہ نظم لکھی ہے۔

- دوسرے بند میں لاث اور ڈپوک دو لفظ آئے ہیں ہندوستان میں لارڈ (Lord) کو عام لوگ لاث کہتے تھے۔ یہ برطانیہ کا اعزازی خطاب ہے۔ اس کے معنی مالک اور آقا کے بھی ہیں۔ گورنر یا حاکم صوبہ کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا تھا اسی طرح ڈپوک (Duke) بھی خطاب ہے نواب رئیس یا امیر کے لیے بھی یہ خطاب استعمال ہوتا تھا۔
- جنگل میں منگل ہونا محاورہ ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں ویرانے میں عیش و عشرت کا سامان ہونا یا غیر آباد جگہ میں رونق اور چہل پہل ہونا۔ دربار دہلی کے موقع پر کشمیری گیٹ سے باہر کنگز وے کیپ تک خیمے لگائے گئے تھے۔ اس وقت یہ جگہ غیر آباد اور ویران تھی۔ خیمے لگنے کے بعد جب دربار کے لیے لوگ یہاں آئے تو خوب رونق اور چہل پہل ہو گئی۔ مصرعے میں اسی جانب اشارہ ہے۔
- اکبر الہ آبادی انگریزی الفاظ کا استعمال معنی خیز انداز میں کرتے ہیں۔ اس نظم میں بھی انھوں نے بہت سے انگریزی الفاظ استعمال کیے ہیں۔

سوالوں کے جواب لکھیے:

- 1- ”سر میں شوق کا سودا دیکھا“ سے کیا مراد ہے؟
- 2- ”خیموں کا اک جنگل دیکھا“ اس مصرعے میں شاعر نے کس منظر کی عکاسی کی ہے؟
- 3- ”میرا حصہ دور کا جلوہ“ شاعر نے کیوں کہا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

عملی کام:

- اس بند کے ردیف اور قافیے کی نشاندہی کیجیے۔
- | | |
|-------------------------|---------------------------|
| پانی تھا ہر پپ سے جاری | سرکیں تھیں ہر کمپ سے جاری |
| تیزی تھی ہر جمپ سے جاری | نور کی موجیں لمپ سے جاری |





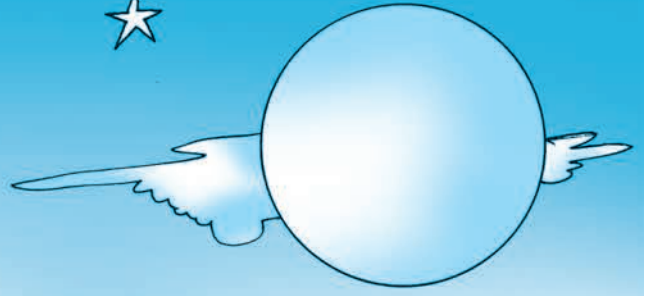
محمد اقبال

(1877 – 1938)

اقبال سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ شمس العلماء مولوی سید میر حسن سے فارسی، عربی اور دینی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ سیالکوٹ ہی میں ایک انگریزی اسکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ اسکاچ مشن اسکول سے ایف۔ اے کیا۔ لاہور میں اعلیٰ تعلیم پائی۔ ابتدائی تعلیم کے زمانے ہی میں شعر کہنے لگے تھے۔ اس وقت ہندوستان میں داغ کی شاعری کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ابتدا میں اقبال نے خط و کتابت کے ذریعے ان سے اصلاح لی۔ لاہور ہی میں تعلیم کے دوران پروفیسر آرنلڈ سے فلسفے کی تعلیم حاصل کی۔ جب پروفیسر آرنلڈ انگلینڈ چلے گئے تو اُن کے اصرار پر اقبال نے 1905 میں یورپ کا سفر کیا۔ وہاں فلسفے میں مزید مہارت پیدا کی اور فارسی ادب کا مطالعہ بھی جاری رکھا۔ اس کے بعد لندن واپس آکر بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ 1908 میں ہندوستان واپس آئے اور سرشتہ تعلیمات سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے بعد بیرسٹری شروع کر دی۔ اقبال کی عالم گیر مقبولیت اور علمی مرتبے سے متاثر ہو کر حکومت برطانیہ نے انھیں ”سر“ کا خطاب عطا کیا۔ اس کے علاوہ بھی انھیں مختلف اعزازات پیش کیے گئے۔ علامہ اقبال نے ایک طویل علالت کے بعد لاہور میں انتقال کیا۔

علامہ اقبال کی نگارشات میں انگریزی، اردو اور فارسی نثر و نظم کا کثیر سرمایہ شامل ہے۔ اردو میں ان کے شعری مجموعے ”بانگ درا“، ”بالِ جبریل“ اور ”ضربِ کلیم“ ہیں۔ ”ارمغانِ حجاز“ ان کے اردو اور فارسی کلام کا مشترک مجموعہ ہے۔ فارسی میں اقبال کے کئی مجموعے ہیں۔

اقبال نے شاعری کو پیغام کا ذریعہ بنایا تھا۔ ان کی فکر میں حرکت و عمل کا فلسفہ کارفرما ہے۔ اقبال کے افکار میں فلسفہ خودی کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ اقبال کی مذہبی فکر بھی ان کی شاعری کا اہم جز ہے۔ مغرب کی ذہنی غلامی سے آزادی کے خیالات ان کے یہاں نمایاں ہیں۔



حقیقتِ حسن

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا
ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا
شبِ درازِ عدم کا فسانہ ہے دنیا
وہی حسین ہے حقیقتِ زوال ہے جس کی
ہوئی ہے رنگِ تغیر سے جو نمود اس کی
فلک پہ عام ہوئی، اخترِ سحر نے سنی
کہیں قریب تھا، یہ گفتگو قمر نے سنی
فلک کی بات بتادی زمیں کے محرم کو
سحر نے تارے سے سن کر سنائی شبِ بنم کو
بھر آئے پھول کے آنسو پیامِ شبِ بنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے

چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا

شباب سیر کو آیا تھا سو گوار گیا

_____ محمد قبائل



مشق

لفظ و معنی:

زوال	:	پستی، گراؤٹ
تصویر خانہ	:	نگار خانہ، پیکر گیلری
شب دراز	:	لمبی رات
عدم	:	نہ ہونا
تغیر	:	تبدیلی
نمود	:	علامت، نشان، ظہور
اختر سحر	:	صبح کا ستارا
زمین کے محرم	:	زمین کے راز دار
سوگوار	:	غمگین، افسردہ

غور کرنے کی بات:

- اقبال کی یہ نظم دنیا کی بے ثباتی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور تبدیلی کو کارخانہ قدرت کا اصول سمجھتی ہے۔ کلی کا پھول بن جانا، موسم بہار کے بعد خزاں کا آنا اور شباب کے بعد بڑھاپے کی آمد، فطرت کے اسی اصول کے تحت واقع ہوتے ہیں۔
- اقبال نے خدا اور حسن کے مکالمے کے ذریعے اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ دنیا کی ہر شے فنا ہونے والی ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ فنا اس کا مقدر ہے بلکہ زوال ہی میں اس کا حسن پوشیدہ ہے۔
- دنیا کی ہر شے مثلاً چاند، تارے، شبنم، کلی اپنے تمام تر حسن کے باوجود فانی ہیں۔

سوالوں کے جواب لکھیے:

- 1- حسن نے خدا سے کیا سوال کیا ہے؟

- 2- خدا اور حسن کے درمیان گفتگو کی خبر زمین کے باسیوں کو کس طرح ہوئی؟
- 3- پھول، کلی، موسم بہار اور شباب کو شاعر نے سوگوار کیوں کہا ہے؟
- 4- نظم کے آخری شعر کی تشریح کیجیے۔

عملی کام:

- قمر کے معنی ہیں چاند۔ اردو میں چاند کے لیے اور بھی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً ہلال، بدر، ماہ، مہرہ اور مہتاب۔ اسی طرح سورج کے لیے جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ لکھیے۔





جوش ملیح آبادی

(1898 – 1982)

شبیر حسن خاں نام، تخلص جوش اور وطن ملیح آباد تھا۔ پیدائش لکھنؤ میں ہوئی۔ علم و ادب کی روایت خاندان میں بزرگوں سے چلی آرہی تھی۔ جوش کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی۔ عربی و فارسی میں اچھی استعداد پیدا کی۔ اس کے بعد لکھنؤ، سیتاپور، آگرہ اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔

1916 میں والد کے انتقال کے بعد وہ کلکتہ (کولکاتہ) چلے گئے یہاں اُن کی ملاقات رابندر ناتھ ٹیگور سے ہوئی۔ ٹیگور کی شخصیت اور شاعری نے جوش کو متاثر کیا۔ 1924 میں وہ عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد کے دارالترجمہ میں ناظر ادب کے عہدے پر ملازم ہو گئے۔ 1934 میں دہلی آ گئے جہاں ان کے کئی شعری مجموعے شائع ہوئے۔ ”قلم“ کے عنوان سے ایک رسالہ بھی جاری کیا۔ اس کے بعد وہ پونا کی ایک فلم کمپنی میں ملازم ہو گئے۔ آزادی کے بعد حکومت ہند کے رسالے ”آج کل“ دہلی کے مدیر مقرر ہوئے۔ 1955 میں انھیں پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا گیا۔ اسلام آباد (پاکستان) میں ان کا انتقال ہوا۔

جوش ملیح آبادی انتہائی قادر الکلام شاعر تھے۔ اُن کا پہلا مجموعہ کلام ”روح ادب“ 1929 میں شائع ہوا۔ اس کے بعد اُن کے کئی مجموعے منظر عام پر آئے جن میں ”شعلہ و شبنم“، ”حرف و حکایت“، اور ”سنبل و سلاسل“ قابل ذکر ہیں۔ اُن کا آخری شعری کارنامہ نامکمل طویل نظم ”حرف آخر“ ہے۔ نثر میں اُن کی معروف کتاب اُن کی آپ بیتی ”یادوں کی برات“ ہے۔

جوش نے غزلیں اور رباعیاں بھی کہی ہیں لیکن بنیادی طور پر وہ نظم کے شاعر ہیں۔ ابتدا میں اُن کی نظموں کا موضوع فطرت کی تصویر کشی تھا جس کی وجہ سے انھیں شاعر فطرت کہا جاتا تھا۔ تحریک آزادی کے زیر اثر اُنھوں نے حب وطن کے گیت گائے اور سیاسی مسائل کو موضوع بنایا۔ اپنے ولولہ انگیز لب و لہجے کی وجہ سے ”شاعر انقلاب“ کہلائے۔

گرمی اور دیہاتی بازار



5012CH20

دوپہر، بازار دُکاں، گاؤں کی خلقت کا شور
خون کی پیاسی شعاعیں، روح فرسا لُ کا زور
آگ کی رو، کاروبار زندگی کا بیچ و تاب
تند شعلے، سرخ ذرے، گرم جھونکے، آفتاب
شور، ہلچل، غلغلہ، ہیجان، لُ، گرمی، غبار
نیل، گھوڑے، بکریاں، بھیڑیں قطار اندر قطار
مکھیوں کی بھنبھناہٹ، گڑ کی بو، مرچوں کی دھانس
خرپڑے، آلو، کھلی، گیہوں، کدو، تربوز، گھانس
دھوپ کی شدت، ہوا کی یورشیں، گرمی کی رَو
کملیوں پر سرخ چانول، ٹاٹ کے ٹکڑوں پہ جو
گرم ذروں کے شدائد، جھکڑوں کی سختیاں
جھکڑوں میں کھانستے بوڑھوں کی چلموں کا دھواں
ماؤں کے کاندھے پہ بچے گردنیں ڈالے ہوئے
بھوک کی آنکھوں کے تارے، پیاس کے پالے ہوئے
بام و درلرزے ہوئے خورشید کے آفات سے
ہر نفس اک آنچ سی اٹھتی ہوئی ذرات سے

مرد و زن گردش میں چیلوں کی صدا سنتے ہوئے
 چلچلاتی دھوپ کی رو میں چنے بھنتے ہوئے
 یوں شعاعیں سایہ اشجار سے چھنتی ہوئی
 میان سے موسم کی تیغ بے اماں نکلی ہوئی
 لؤ کے مارے بام و در کی روح گھبرائی ہوئی
 دوستوں کی شکل پر بیگانگی چھائی ہوئی
 آسمان پر ابر کے بھٹکے ہوئے ٹکڑوں کا رم
 نشے میں مُمسک کا جیسے وعدہ جود و کرم



ہر روش پر چڑچڑاپن، ہر صدا میں بے رخی
 ہر جگر بھنتا ہوا، ہر کھوپڑی پکتی ہوئی
 سر پہ کافر دھوپ جیسے روح پر عکس گناہ
 تیز کرنیں، جیسے بوڑھے سود خواروں کی نگاہ

جوش ملیح آبادی

مشق

لفظ و معنی:

مخلوق مراد عام لوگ	:	خلقت
روح کو تکلیف دینے والا	:	روح فرسا
بہاؤ، دھار	:	رو
غصے کی کیفیت	:	پتچ و تاب
تیز	:	تند
شور، ہنگامہ	:	غلغلہ
پریشانی، بے چینی	:	ہیجان
خرپڑہ کی جمع، مراد خرپوزہ	:	خرپڑے
شدید کی جمع، سختیاں	:	شدائد
آفت کی جمع، مصیبتیں	:	آفات
ہر سانس	:	ہر نفس

چکر	:	گردش
کھلی ہوئی تلوار جس کے وار سے بچنا مشکل ہو	:	تیغ بے اماں
اجنبیت، بے تعلقی	:	بیگانگی
درختوں کا سایہ	:	سایہ اشجار
بھاگنا، دوڑنا	:	رم
کنجوس	:	ممسک
انعام و اکرام کا وعدہ	:	وعدہ جود و کرم
طور طریقہ	:	روش
گناہ کی پرچھائیں	:	عکس گناہ
سود کھانے والا	:	سود خوار

غور کرنے کی بات:

- جوش کی یہ نظم بیانیہ ہے اور منظر نگاری کا اچھا نمونہ ہے۔
- جوش کو الفاظ کا جادو گر کہا جاتا ہے یہ نظم اس کی مثال ہے۔
- کسی خیالی یا مرنی چیز کو ٹھوس شکل میں پیش کرنا تمثیل کہلاتا ہے۔ اس نظم میں تمثیل کے کئی اچھے نمونے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر ”میان سے موسم کی تیغ بے اماں نکلی ہوئی“۔

سوالوں کے جواب لکھیے:

- 1- شاعر نے دیہاتی بازار کی منظر کشی کس طرح کی ہے؟
- 2- دوستوں کی شکل پر بیگانگی کیوں نظر آرہی تھی؟
- 3- لوگوں کو روح فرسا کیوں کہا گیا ہے؟
- 4- ’کافر دھوپ‘ سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

عملی کام:

- درج ذیل الفاظ سے واحد کی جمع اور جمع سے واحد بنائیے۔
قطار سختیاں گردنیں گرمی اشجار روح آفات
- اس نظم میں استعمال ہونے والے محاوروں، تشبیہوں اور تمثیلوں کی نشاندہی کیجیے۔



© NCERT
not to be republished



اکثر شیرانی

(1905 – 1948)

داؤد خاں نام، اختر تخلص، مشہور محقق حافظ محمود خاں شیرانی کے بیٹے تھے۔ ٹونک میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت لاہور میں ہوئی۔ یہاں ان کے والد اور نیٹل کالج لاہور میں استاد تھے۔ اختر شیرانی نے لاہور کے کئی مشہور ادبی رسائل ”ہمایوں“، ”خیالستان“، ”شاہکار“ اور ”انتخاب“ میں ادارتی فرائض انجام دیے۔ جوں عمری میں انتقال ہوا۔

اکثر ایک رومانی شاعر تھے انہوں نے غزلیں بھی کہیں اور نظمیں بھی۔ اپنی رومانی نظموں کے باعث زیادہ مشہور ہوئے۔ اختر کی نظموں میں غنائیت پائی جاتی ہے۔ وہ لطیف جذبات مترنم انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں سرشاری اور سرمستی ہے۔ اختر کی رومانیت خواب و خیال سے زیادہ ہماری دھرتی اور اس کے حسن کے گرد گھومتی ہے اس لیے مانوس معلوم ہوتی ہے۔ اختر نے رومانی نظموں کے علاوہ سانیٹ بھی لکھے۔ ان کی نظموں کا دوسرا موضوع حب الوطنی ہے۔ ان کی نظمیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی محبت اور وطن کی خاطر کسی بھی قربانی کے لیے تیار ہیں۔

”پھولوں کے گیت“، ”شعرستان“، ”صبح بہار“، ”نغمہ حرم“، ”ٹیوراوارہ“، ”اکثرستان“، ”لالہ طور“، ”شہر رو“، اور ”شبستان“ ان کے شعری مجموعے ہیں۔



5012CH21

اودیس سے آنے والے بتا!

(ایک نووارد ہم وطن سے کسی غریب الوطن کا خطاب)

اودیس سے آنے والے بتا!

او دیس سے آنے والے بتا
آوارہ غربت کو بھی سنا!
وہ باغ وطن، فردوس وطن
کس حال میں ہیں یارانِ وطن
کس رنگ میں ہے کنعانِ وطن
وہ سروِ وطن، ریحانِ وطن

اودیس سے آنے والے بتا!

اودیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی وہاں کے باغوں میں
کیا اب بھی وہاں کے پر بت پر
کیا اب بھی وہاں کی برکھائیں
مستانہ ہوائیں آتی ہیں؟
گھنگھور گھٹائیں چھاتی ہیں؟
ویسے ہی دلوں کو بھاتی ہیں؟

اودیس سے آنے والے بتا!

اودیس سے آنے والے بتا!

کیا شام پڑے گلیوں میں وہی
اور سڑکوں کی دھندلی شمعوں پر
بانگوں کی گھنیری شاخوں میں
دلچسپ اندھیرا ہوتا ہے؟
سایوں کا بسیرا ہوتا ہے
جس طرح سویرا ہوتا ہے؟

اودیس سے آنے والے بتا!

اودیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی مہکتے مندر سے
کیا اب بھی مقدس مسجد پر
اور شام کے رنگیں سایوں پر
ناقوس کی آواز آتی ہے؟
مستانہ اڈاں تھراتی ہے؟
عظمت کی جھلک چھا جاتی ہے؟
اودیس سے آنے والے بتا!

اودیس سے آنے والے بتا!

کیا آم کے اُونچے پیڑوں پر
شاخوں کے حریری پردوں میں
ساون کے رسیلے گیتوں سے
اب بھی وہ پیسے بولتے ہیں؟
نغموں کے خزانے کھولتے ہیں؟
تالاب میں امس گھولتے ہیں؟
اودیس سے آنے والے بتا!

اودیس سے آنے والے بتا!

کیا پہلی سی ہے معصوم ابھی
کچھ بھولے ہوئے دن گزرے ہیں
وہ کھیل، وہ ہم سن، وہ میداں
وہ مدرسے کی شاداب فضا؟
جس میں، وہ مثالِ خواب فضا؟
وہ خواب گہ مہتاب فضا؟
اودیس سے آنے والے بتا!

اودیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی کسی کے سینے میں
کیا یاد ہمیں بھی کرتا ہے اب
او دیس سے آنے والے بتا
باقی ہے ہماری چاہ بتا؟
یاروں میں کوئی آہ بتا؟
لِلّٰہ بتا، لِلّٰہ بتا؟
اودیس سے آنے والے بتا!

اودیس سے آنے والے بتا!

کیا ہم کو وطن کے باغوں کی
برکھا کی بہاریں بھول گئیں
مستانہ فضا میں بھول گئیں؟
ساون کی گھٹائیں بھول گئیں؟
جنگل کی ہوائیں بھول گئیں؟
دریا کے کنارے بھول گئے

اودیس سے آنے والے بتا!

اودیس سے آنے والے بتا!

کیا گاؤں پہ اب بھی ساون میں
معصوم گھروں سے بھور بھئے
برکھا کی بہاریں چھاتی ہیں؟
چکلی کی صدائیں آتی ہیں،
پچھڑی ہوئی سکھیاں گاتی ہیں؟
اور یاد میں اپنے میکے کی

اودیس سے آنے والے بتا!



اودیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی پرانے کھنڈروں پر تاریخ کی عبرت طاری ہے؟
 اُن پورنا کے اُجڑے مندر پر مایوسی و حسرت طاری ہے؟
 سنسان گھروں پر چھاؤنی کے ویرانی و رقت طاری ہے؟
 اودیس سے آنے والے بتا!

— اختر شیرانی

مشق

لفظ و معنی:

نو کے معنی نیا، وارد آنے والا، نیا آیا ہوا مسافر	:	نوارد
پردیس میں رہنے والا	:	آوارہ غربت
ملک شام کا ایک مقام جہاں حضرت یوسف پیدا ہوئے تھے	:	کنعان
جنت	:	فردوس
ایک خوشبودار پھول	:	ریحان
سنگھ جو پوجا کرتے وقت مندر میں بجایا جاتا ہے	:	ناقوس
ریشمی، ریشم کا باریک کپڑا	:	حریری
آم کا رس مراد مٹھاس	:	امرس
ہم عمر، ہم جولی	:	ہم سن
خواب گاہ، سونے کا کمرہ	:	خواب گہ
درگا دیوی، غذا کی دیوی	:	ان پورنا

غور کرنے کی بات:

- اس نظم میں شاعر نے پردیس میں رہنے والے لوگوں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی ہے کہ کس طرح انہیں پردیس میں اپنے دیس کی ایک ایک چیز یاد آتی ہے۔
- نظم کے آخری بند میں عروج و زوال کی کہانی کو شاعر نے تین مصرعوں میں سمو دیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ قلعہ و حویلیاں بارونق ہوتی تھیں مگر جب ان کے مکس نہیں رہے تو اُن کے مکان سونے ہو گئے اور وہ کھنڈر میں تبدیل ہو گئے۔

سوالوں کے جواب لکھیے:

- 1- نظم کے پہلے بند میں ”آوارہ غربت“ اور ”کنعانِ وطن“ سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- 2- پردیس میں وطن سے آنے والے شخص سے شاعر بے تاب ہو کر کیا کیا پوچھتا ہے؟
- 3- ”اودیس سے آنے والے بتا لہ بتا لہ بتا“ سے شاعر کے کس احساس کا اظہار ہو رہا ہے؟
- 4- شاخوں کے حریری پردوں میں نغموں کے خزانے کون کھولتا ہے؟

عملی کام:

- نظم میں شامل تلمیحات اور استعارات کی نشاندہی کیجیے۔
- اپنے وطن کی خوبیوں پر ایک مضمون لکھیے۔





کیفی اعظمی

(1917 – 2002)

نام اطہر حسین رضوی اور تخلص کیفی۔ اعظم گڑھ کے گاؤں رجواں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی اس کے بعد لکھنؤ کے مشہور ادارے سلطان المدارس میں داخل ہوئے۔ کیفی اعظمی کو شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ طالب علمی کے زمانے سے ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ کیفی اعظمی کمیونسٹ پارٹی کے سرگرم رکن تھے اس سلسلے میں کئی بار جیل گئے۔ 1943 میں بمبئی آ گئے اور یہاں ایک رسالے ”قومی جنگ“ کی مجلس ادارت میں شامل ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی فلمی دنیا سے بھی ان کی وابستگی رہی اور کئی فلموں کے نغمے اور مکالمے لکھے۔ ان کی شاعری کے مجموعوں میں ”جھکاڑ“ (1945)، ”آخر شب“ (1947)، ”آوارہ سجدے“ (1973)، ”ابلیس کی مجلس شوریٰ (دوسرا اجلاس)“ (1977) اور ”سرمایہ“ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے فلمی نغموں کا مجموعہ ”میری آواز سنو“ 1974 میں منظر عام پر آیا۔ ”آوارہ سجدے“ پر انھیں سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ اور ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

آندھی



5012CH22

اُٹھو دیکھو وہ آندھی آرہی ہے
اُفق پر برق سی لہرا رہی ہے
قیامت ہر طرف منڈلا رہی ہے
زمیں ہچکولے پیہم کھا رہی ہے
اُٹھو دیکھو وہ آندھی آرہی ہے



مچلتی، جھومتی، ہلچل مچاتی
 تڑپتی، شور کرتی، دل ہلاتی
 گرجتی، چیختی، فتنے اٹھاتی
 اُٹھو دیکھو وہ آندھی آرہی ہے
 فضا میں آتشیں پرچم اڑاتی
 زمیں پر آگ کے دھارے گراتی
 شرارے رولتی شعلے بجھاتی
 سنہری روشنی پھیلا رہی ہے
 اُٹھو دیکھو وہ آندھی آرہی ہے
 بڑھی آتی ہے تعمیری تباہی
 جھکی پڑتی ہے نور افزا سیاہی
 جھکولے کھا رہا ہے قصرِ شاہی
 بلا زنجیر در کھڑکا رہی ہے
 اُٹھو دیکھو وہ آندھی آرہی ہے
 نشاناتِ ستم تھرا رہے ہیں
 حکومت کے علم تھرا رہے ہیں
 غلامی کے قدم تھرا رہے ہیں
 غلامی اب وطن سے جارہی ہے
 اُٹھو دیکھو وہ آندھی آرہی ہے

— سیتی اعظمی

مشق

لفظ و معنی:

قصر شاہی	:	شاہی محل
برق	:	بجلی
نشاناتِ ستم	:	ظلم کے نشانات
آتشیں پرچم	:	آگ جیسا جھنڈا مراد سرخ پرچم

غور کرنے کی بات:

- اس نظم کے ابتدائی دو بند ”آندھی“ کی شدت اور زور کی منظر کشی کرتے ہیں۔ تیسرے بند سے اس نظم کا مرکزی خیال ابھرتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ ”آندھی“ درحقیقت ظلم و ستم کے خلاف عوامی جدوجہد اور آزادی کے لیے انقلابی ماحول کی عکاس ہے۔
- اس نظم میں مرکب الفاظ اور تراکیب کا خوبصورت استعمال ہے جیسے آتشیں پرچم، تعمیری تباہی، نور افزا سیاہی، نشاناتِ ستم۔

سوالوں کے جواب لکھیے:

- 1- افق پر برق سی لہرانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- 2- آندھی آنے کے کیا آثار نظر آتے ہیں؟
- 3- تعمیری تباہی سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

عملی کام:

- اس نظم کو زبانی یاد کیجیے۔
- درج ذیل لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔
فتنے شرارے زنجیر علم